غلام ناصر مروت

وحدت نوعِ انسانی میں اسلام کا کردار

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو　　　اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

یہ ہندی وہ خراسانی، یہ افغانی وہ تورانی　　　تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا　(اقبال)

اس وسیع و عریض کائنات کے پورے نظام میں "وحدت" کا اصول کار فرما ہے۔ کائنات کی ہر چیز اپنا اپنا فریضہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ باقی اشیا کے ساتھ تعلق کے ایک رشتے میں منسلک ہے۔ زمین، چاند اور ستارے جہاں اپنے اپنے محور پر گھومتے ہیں، وہاں اپنے مرکزِ وحدت سورج کے گرد چکر کاٹ کر پورے نظامِ شمسی کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ خود انسان کی اپنی ہستی اسی اصول کی پابند ہے۔ انسانی بدن کے تمام اعضا اپنے اپنے کام میں مشغول رہنے کے باوجود دوسرے اعضا کے ساتھ اپنی وحدت برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انسان کا اعصابی نظام اسی اصول کا مظہر ہے۔ ایسے ہی تمام انسان اپنے اپنے دائرے میں رہتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ فطری طور پر متعلق رہتے ہیں۔ ہر ایک انسان کا تعلق شوہر کی حیثیت سے بیوی کے ساتھ اور بیوی کی حیثیت سے خاوند کے ساتھ، بیٹے کی حیثیت سے والدین کے ساتھ اور ماں باپ کی حیثیت سے اپنی اولاد کے ساتھ، بھائی کی حیثیت سے بھائی کے ساتھ، حاکم کی حیثیت سے محکوم کے ساتھ اور محکوم کی حیثیت سے حاکم کے ساتھ برقرار ہے۔ گویا تمام افراد ایک کنبے کے افراد کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں:

بنی آدم اعضای یکدیگر اند　　　که در آفرینش ز یک گوہر اند　(سعدی)

اس عالم گیر وحدت کے نظام کو قائم رکھنے والی وہی حی و قیوم ذات ہے، جس نے "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ" کی صفات سے متصف ہو کر شفقت و ربوبیت کے لحاظ سے تمام انسانوں کو اپنے عیال سے تعبیر فرمایا ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے: "اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اللهِ" تمام انسان (اللہ تعالیٰ کی) عیال ہیں۔ (مسلم شریف۔ عنق ۱۲۹) ۔ اور جس طرح انسانی معاشرے کے ہر کنبے کے سربراہ کے علاوہ دیگر

افراد فطری طور پر اس کے خواہاں ہوتے ہیں کہ اس کنبے کے افراد میں نظم و ضبط، اتحاد و اتفاق اور ہم آہنگی و یگانگت پائی جائے، کیوں کہ اس خاندان کی راحت و سکون، وقار و عظمت اور ترقی و کامیابی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ اسی طرح خدائے بزرگ و برتر نے انسانی کنبے کے تمام افراد مختلف نسلوں، مختلف زبانوں اور مختلف جغرافیائی خطوں میں تقسیم کرنے کے باوجود اقوام عالم کے تمام انسانوں کے دلوں میں یہ خواہش ودیعت فرمائی ہے کہ انسانی کنبے کے تمام افراد کے درمیان الفت و محبت اور باہمی تعاون و خیرخواہی کا رشتہ استوار ہو۔ اسی اصول کے پیشِ نظر اتحاد و تنظیم کا نظریہ ہر زمانے میں ہر خطۂ زمین پر بسنے والے ہر رنگ و نسل کے انسانوں نے پسند کیا ہے۔

اس عالم گیر خواہش کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آج دنیا تعاون کی بجائے تصادم، محبت کی بجائے نفرت، اتحاد کے بجائے افتراق اور نظم و ضبط کے بجائے انتشار و پراگندگی کا شکار ہے۔ تاریخ اقوامِ عالم اور زمانۂ حال کے حالات کا مطالعہ کرنے سے ہر فطرتِ سلیم میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب پوری انسانیت فطری لحاظ سے اتحاد و تنظیم کے اصول کی تصدیق کرتی ہے تو پھر عملی طور پر بنی نوعِ انسان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر کیوں نہیں ہوتا؟ آخر خدا کے اس کنبے کو یہ پریشانی کیوں لاحق ہوئی اور خدا کی نیابت کا دم بھرنے والا مسلمان انفرادی طور پر یا بہ حیثیت امت کے افتراق و انتشار کے سمندر میں انسانیت کی اس ڈوبتی ہوئی کشتی کو کنارے لگا سکتا ہے یا نہیں؟

تاریخِ انسانیت کی یہ ایک عالم گیر صداقت ہے کہ تمام انسان بہ حیثیت انسانیت کے برابر ہیں۔ رنگ، نسل، زبان اور جغرافیائی تقسیم کسی امتیاز یا درجہ بندی کا معیار نہیں بن سکتے۔ تمام آسمانی مذاہب مثلاً یہودیت، نصرانیت اور اسلام کے علاوہ کرۂ ارضی پر موجود یا مردہ دیگر مذاہب میں کم از کم یہی ایک چیز مشترک طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ یہ چیزیں انسانیت کو کسی ایک مرکز پر نہ تو جمع کر سکتی ہیں اور نہ ان بنیادوں پر مبنی درجہ بندی دیرپا اور مستقل ثابت ہو سکتی ہے۔

لیکن مقامِ حیرت ہے کہ ماضی کے علاوہ موجودہ زمانے میں بھی اسلامی معاشرے کے سوا باقی تمام نام نہاد مہذب انسانی معاشروں کے افراد نے اپنے اپنے دائرے تک وحدت و مرکزیت اور اتحاد و تنظیم کی بنیادیں انہی چیزوں یعنی رنگ، نسل، زبان اور جغرافیائی تقسیم پر استوار کی ہوئی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک زبان پر کچھ لوگ اس حد تک آپس میں متحد ہو گئے کہ دوسری زبان بولنے والوں کے

خلاف تصادم کی راہ اختیار کرلی۔

اسلام نے دوسری معاشرتی برائیوں کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ اس غلط تصور کو ختم کرنے کی طرف خاص توجہ دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ حق وصداقت کا پیغام اقوامِ عالم تک پہنچانے کے لیے دیگر اقوام کی زبان پر عبور حاصل کرنا کوئی جرم نہیں بلکہ اپنے مشن کی تکمیل کا اہم ذریعہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ کے ایک مشہور صحابی اور کاتبِ وحی حضرت زیدؓ بن ثابت نے سترہ دن میں سریانی زبان سیکھ لی[1] اور ایک دوسری روایت کی رو سے پندرہ روز میں عبرانی زبان سیکھ لی تھی[2]۔ بقول المسعودی حضرت زید بن ثابت فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانوں سے بھی واقف تھے[3]۔

دوسری چیز جس کو انسانوں نے وحدت ومرکزیت کی بنیاد قرار دیا وہ نسل کا بت تھا، اور آج تک یہ فتنہ چلا آرہا ہے، لیکن یہ بنیاد بھی پہلی کی طرح ایک نسل کو دوسری نسل کے خلاف ابھارنے کا ذریعہ بنی۔ بنی اسرائیل کے دل میں نسلی غرور پیدا ہوا، جس کی وجہ سے وہ راہِ راست سے بھٹک گئے۔ انھوں نے دعویٰ کیا نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ط (المائدہ: ۱۸) (ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، یعنی ہمیں اس کے نزدیک دوسروں پر فوقیت حاصل ہے)۔ ان کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ اکثر انبیا علیہم السلام انہی میں سے مبعوث ہوئے ہیں، اس لیے وہ ایک قریشی نبی کی نبوت مان کر ان کی عالم گیر تحریک میں شامل ہونے سے ہچکچاتے رہے۔ بنی اسرائیل کے علاوہ باقی عربوں کا بھی یہی خیال تھا۔ امویوں اور ہاشمیوں کا جھگڑا بہت پرانا تھا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں باقی عربوں کے لیے قریش کی ہٹ دھرمی ایک بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ خود اسلامی تاریخ میں خلافتِ راشدہ کے زرین دور کے بعد یہی فتنہ اسلام دشمن عناصر نے مسلمانوں

---

[1] عن زید بن ثابتؓ قال قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی اکتب الی قوم فاخاف ان یزیدوا علیّ او ینقصوا فتعلم السریانیۃ فتعلمتها فی سبعۃ عشر یوماً (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۳، ص ۲۲، ۸۴۳)

[2] حکایات صحابہ، باب ۱۱، حکایت ۱۸

[3] دائرۃ المعارف ج ۱۰، ص ۵۴۳

کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کے لیے بطور ہتھیار استعمال کیا۔

ہندوستان میں نسل پرستی ہی نے ذات پات کی لعنت کو جنم دیا اور وہاں کا معاشرہ برہمن، کھشتری اور شودر کی حدبندیوں کا شکار ہوگیا۔ پاکستان میں پٹھان، بلوچی، سندھی اور پنجابی یعنی چار قومیتوں کا نعرہ اسی مرض کے موجبات میں سے ہے۔ مغرب میں جرمنی کے گوئٹے نے جرمن نسل کو " The superman " قرار دے کر جرمن قوم کو نسلی غرور کا نشہ پلایا اور اسی نشے سے سرشار ہو کر ہٹلر نے نازی نسل کو باقی جرمن قوم میں امتیاز کا علم بردار قرار دیا۔

تیسری چیز رنگ ہے جسے انسانوں نے مرکزیت اور اتحاد کی بنیاد قرار دے کر ٹھوکر کھائی لیکن یہاں بھی وہی کھیل کھیلا گیا۔ کالے اگرچہ ایک حد تک ایک مرکز کے گرد جمع ہو گئے لیکن گوروں کے متحدہ غیظ و غضب کا نشانہ بن گئے۔ امریکہ، برطانیہ، نیوزی لینڈ اور سب سے بڑھ کر جنوبی افریقہ میں رنگ کے فسادات ہمارے دعوے کا بیّن ثبوت ہیں۔ وہاں آج بھی کالے اور گوروں کے سکول، ہسپتال اور سفر کے لیے ریل گاڑی کے ڈبے وغیرہ بالکل علیحدہ ہیں، وہاں کے چارپائے تو ایک گھاٹ پر پانی پی سکتے ہیں لیکن انسانی کنبے کے یہ دو مختلف اللون افراد اکٹھے کھا پی نہیں سکتے۔

چوتھی چیز کرۂ ارضی کا کوئی مخصوص خطہ وہاں کے انسانوں کے درمیان اتحاد کا ذریعہ سمجھا گیا ہے اور اس تصور نے وطن پرستی کے نام پر خدا کے اس کنبے میں نفرت و عداوت کے بیج بو دیے۔

بات چلتے چلتے یہاں پر آ کر رک جاتی ہے کہ انسان کے دل و دماغ نے آج تک اس عالم گیر صداقت کو کہ " تمام انسان بہ حیثیت انسان کے برابر ہیں " اپنے حقیقی مفہوم کے ساتھ تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ مندرجہ بالا غلط تصورات کی بنیاد پر رنگ، نسل، زبان اور جغرافیائی حدبندی کے بتوں کی پوجا کرنے والا ہر گروہ اپنے نظریات و اصول دوسرے گروہ پر ٹھونسنے کی کوشش کرتا رہا، حالانکہ فضائے کائنات میں گونجتے ہوئے اس نغمے کی صدا اس کے کانوں میں برابر آتی رہی کہ بہ حیثیت انسان کے تمھیں اپنے وضع کردہ اصول دوسرے انسان پر ٹھونسنے کا ہرگز حق حاصل نہیں۔ کیوں کہ ممکن ہے جن اصولوں کو تم اتحاد و مرکزیت کی بنیاد قرار دے رہے ہو، اسے دوسرے انسان کا دل و دماغ قبول نہ کرے۔ سو تمام انسانوں کے لیے اس کے سوا چارۂ کار نہ رہا کہ ایک ایسی ہستی کے اصولوں کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنا لیں جو رنگ کے لحاظ سے کسی ایک گروہ کا ہم رنگ نہ ہو۔ نسل کے رشتے

میں کسی ایک جماعت سے منسلک نہ ہو۔ زبان کے لحاظ سے کسی ایک گروہ کی لغوی بندھنوں کا پابند نہ ہو اور جغرافیائی حد بندی کے لحاظ سے کسی ایک خطے کا باشندہ نہ ہو بلکہ تمام کالے اور گوروں کا خالق، تمام اہلِ عرب و عجم کا پروردگار اور پورے کرۂ ارضی کا مالک و حکمران ہو۔ جسے کسی گورے کی محبت کسی کالے سے نفرت پر ابھار نہ سکے اور کسی اچھی نسل کی قرابت داری کسی کی مخالفت پر مجبور نہ کر سکے۔ تمام انسانوں پر ایک کنبے کے افراد کی طرح ایک جیسا مہربان ہو تو لامحالہ ایک یسی ہستی کے وضع کردہ اصول تمام انسانوں کے لیے قابلِ قبول ہو سکتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس پاک و بے عیب اور ہر قسم کی بندھنوں سے آزاد ہستی کا نظام کیا اور کون سا ہے؟ یہودی نظامِ تورات کو اور نصاریٰ نظامِ انجیل کو خدا کا بھیجا ہوا واجب التعمیل ظام بتلاتے ہیں یہاں تک کہ مشرکین کی مختلف جماعتیں بھی اپنی اپنی مذہبی رسوم کو خدا تعالیٰ ہی کی رف منسوب کرتی ہیں۔ لیکن اس اشکال کو خود تورات و انجیل کی مشترکہ تعلیمات نے دور کیا ہے لہ قرآنِ پاک کے آخری اور مکمل پیام اور حاملِ قرآن محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی پیش گوئی کی۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر خود حاملین قرآن کے علاوہ باقی انسانوں کے لیے بی اس روشن ہدایت کی طرف رجوع کرنے کے سوا چارہ نہیں جس میں ارشادِ ربانی ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ
ںَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات ، ۱۳)

اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (آدمؑ و حواؑ) سے بنایا اور تمہارے خاندان اور قبیلے ئے تاکہ آپس کی پہچان ہو۔ بلاشبہ اللہ کے ہاں معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے[۴]

---

[۴] یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال حبشی رضی ذان کا حکم دیا تو قریشِ مکہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، ان میں سے ایک نے کہا "اللہ کا شکر ہے کہ میرے ر پہلے ہی وفات پا گئے اور ان کو یہ روز بد دیکھنا نہیں پڑا!" حارث بن ہشام نے کہا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم ن کالے کوے (نعوذ باللہ) کے سوا کوئی آدمی نہیں ملا جو مسجدِ حرام میں اذان دے" ابوسفیان بولا "میں کچھ ، کہتا کیوں کہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں گا تو آسمان کا مالک ان کو خبر کر دے گا۔" چنانچہ جبریل امین تشریف

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے آنحضرتؐ نے فرمایا "کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں - تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے" گویا تمام انسانیت کو مخاطب کر کے اعلان کیا جاتا ہے کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں اور ایک ہی تسبیح کے دانے ہیں۔

صد جائی اگر گرہ زنی رشتہ یکی است (غالب)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاطرِ فطرت نے انسان کے تراشے ہوئے ان بتوں کو پاش پاش کر کے ان مصنوعی امتیازات و درجہ بندی کے تصور ہی کو ختم کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ آفاقی اتحاد کے اس فطری اصول کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تمام انسانوں نے مل کر آگے بڑھنا ہوگا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ج (المائدہ، ۱۰۳)

اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی اور پھوٹ نہ ڈالو[۵]

اور یہ اتحاد اجسام سے قائم نہیں ہو سکتا بلکہ افکار کی ہم آہنگی سے وجود میں آسکتا ہے۔

اس نظام کی بنیاد جو دلوں کو جوڑتا اور افکار کو ہم آہنگ کرتا ہے، عقیدۂ توحید پر ہے، یعنی تمام انسان اس ایک اور پاک و بے عیب ہستی کو اپنا خالق، پروردگار اور حکمرانِ اعلیٰ تسلیم کر لیں جو قدرت میں سب پر غالب اور کسی کے خوف یا محبت سے متاثر ہونے والا نہیں۔ جو زمان و مکان کی قید سے

لائے اور آں حضرت کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی۔ آپ نے ان تمام لوگوں کو بلا کر پوچھا "تم نے کیا کہا تھا؟" انھوں نے اقرار کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے بتلایا کہ فخر و مباہات کی چیز درحقیقت ایمان و تقویٰ ہے جس سے تم لوگ خالی اور حضرت بلال آراستہ ہیں، اس لیے وہ تم سے افضل ہیں۔" (مظہری عن البغوی ــ معارف القرآن - ج ۸، ص ۱۲۵)

۵ اللہ کی رسی سے مراد قرآن مجید ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کتاب اللہ ھو حبل اللہ الممدود من السماء الی الارض" یعنی کتاب اللہ اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے۔ (ابن کثیر)۔ حضرت زید بن ارقم کی روایت میں "حبل اللہ ھو القرآن" کے الفاظ آئے ہیں۔ (ابن کثیر) قرآن کو یا دین کو رسی سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہلِ ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بنا دیتا ہے۔ (معارف القرآن)

آزاد ہے، جو رشتہ و پیوند کی بندھنوں سے بے نیاز ہے، جو تمام مخلوق کا حاجت روا اور مشکل کشا ہے، اور جس طرح وہ کائنات کو وجود میں لانے اور اسے جان دار و بے جان مخلوقات سے زینت بخشنے میں کسی کا محتاج نہیں، اسی طرح اس کائنات کا نظام چلانے اور مخلوقات کی ضروریات پوری کرنے میں بھی کسی غیر کے مشورے یا تعاون کا محتاج نہیں۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ ذات وصفات میں اس کا کوئی ہم سر و ہمتا نہیں۔ یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جس پر اسلام انسانوں کو جمع کرنا چاہتا ہے۔

خالقِ کائنات نے سب سے پہلے انسان اور تمام نوعِ انسانی کے جدِ اعلیٰ حضرت آدم کے دل میں توحید کی حقیقت پیدا کی۔ ان کے بعد ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم السلام کے ذریعے اس پیغام کو دہرایا جاتا رہا جس کی تکمیل خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ یہ وہی پیغام ہے جس کے ذریعے چودہ سو سال قبل ایک بہت بڑی امت کو متحد کر دیا گیا تھا۔ اس عقیدے نے رنگ و نسل کے تمام امتیازات مٹا دیے تھے۔ صدیوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے شیر و شکر ہو گئے۔ اس آفاقی اتحاد کے رشتے کی وجہ سے روم و فارس اور عرب کا ہزاروں میل کا فاصلہ ختم ہو کر رہ گیا۔ فارسی اور عربی زبانیں ایک دوسرے میں گھل مل گئیں۔ کالے گوروں کے شیدائی اور گورے کالوں کے فدائی بن گئے۔ یہ رشتہ خونی رشتے سے بھی زیادہ مضبوط ثابت ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ اور مصعب بن عمیر اپنے والدین کی رفاقت چھوڑ کر اس آفاقی اتحاد کے رشتے میں منسلک ہو گئے اور یہاں کوئی اجنبیت محسوس نہ کی، اور یہ کوئی حادثاتی یا اتفاقی بات نہ تھی، جیسا کہ اہلِ مغرب کا دعویٰ ہے۔ بلکہ یہ اس عظیم ترین مشن کی تکمیل تھی جس کے لیے تمام انبیا علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں کوشاں رہے۔ اس کا چشمہ عرب کی سرزمین سے پھوٹا اور آن کی آن میں ایک بحرِ بے کراں کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ ایک جاں فزا نغمہ تھا جو تمام دلوں کی دھڑکن بن گیا۔

اس بنیادی عقیدے سے گزر کر جب اسلامی نظامِ زندگی کے باقی شعائر پر غور کرتے ہیں تو ان تمام شعائر سے وہی آفاقیت کی خوشبو ٹپک رہی ہے۔

سب سے پہلے نماز کو لیجیے، اس کے شرائط، ارکان اور الفاظ تک میں آفاقی رنگ پایا جاتا ہے مثلاً اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک اکیلا نمازی تنہائی کے باوجود جب نماز میں جمع کے کلمات استعمال کرتا ہے تو عقلِ سلیم کو ماننا پڑتا ہے کہ یہ نمازی اپنی

انفرادی اہمیت کے باوجود اسلامی زندگی کی اجتماعیت کو نظر انداز نہیں کر سکتا - چوبیس گھنٹے کے شب و روز میں کم از کم پانچ دفعہ عقیدۂ توحید کے علم برداروں کو رنگ، نسل، زبان اور علاقائی امتیازات کو پسِ پشت ڈال کر ایک ہی صف میں کھڑا ہونا پڑتا ہے - افریقہ کے حبشیوں کی صف میں کھڑا ہونے والا امریکہ اور انگلستان کا کوئی گورا اجنبیت محسوس نہیں کرتا - میدانِ عرفات میں حجازیوں کے ساتھ سرحد کے پشتون، اصفہان و تبریز کے فارسی بولنے والے اور پیرس و لندن کے فرانسیسی و انگریزی زبان بولنے والے سارے فرزندانِ توحید مل کر ایک ہی آواز پر لبیک کہتے ہوئے سربسجود ہوتے ہیں - ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں میل کے جغرافیائی فاصلے کے باوجود سب لوگ کندھے سے کندھا ملائے کھڑے ہیں -

آگے چل کر جب نظامِ زکوٰۃ پر غور کرتے ہیں تو یہاں بھی وہی مقصد کارفرما نظر آتا ہے کہ تمام انسانوں کے دل آپس میں جڑ جائیں - یہ حقیقت مصارفِ زکوٰۃ والی آیت سے عیاں ہے - ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ " (التوبہ : ۶۰)

صدقات (زکوٰۃ) تو صرف حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن زکوٰۃ کے کام پر متعین ہوں اور جن کی دل جوئی کرنی ہے اور (غلاموں کی) گردنوں کے چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں اور اللہ کے راستے (جہاد) میں اور راہ کے مسافر کو - ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا، اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے -

گویا اسلام کے نظامِ زکوٰۃ و صدقات میں اس مصلحت کو خاص طور پر پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ کوئی مسافر اپنے آپ کو بے بس پا کر رسوا ہونے پر مجبور نہ ہو - بلکہ اہلِ ثروت خود بہ خود ایسے مسافر (ابن السبیل) کی مدد کرنے پر آمادہ ہوں - کوئی تنگ دست (فقیر و مسکین) کسی کے آگے دستِ سوال دراز کر کے ننگ و عار کا شکار نہ ہو، بلکہ صاحبِ استطاعت بندے از خود ایسے ضرورت مندوں کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے آگے بڑھیں - کوئی قرض کی لعنت یا غلامی سے تنگ آ کر حدود اللہ سے گزرنے کا ارتکاب کرنے پر (مثلاً فرار یا چوری) مجبور نہ ہو - بلکہ فارغ البال افراد ایسے بے بس انسانوں کی حوصلہ افزائی کر کے انھیں آزادی کی دولت سے ہم کنار کرنے میں مدد دیں، اور اگر ہو سکے تو

اس آفاقی اتحاد کے علم بردار اپنے مال کے ذریعے دوسرے انسانوں کی تالیفِ قلب کر کے اس اتحاد کا دائرہ وسیع کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ اور ان تمام مراحل پر اس بات کی خاص طور پر تاکید کی گئی ہے کہ اس تعاون کے سب سے زیادہ مستحق وہ محتاج ہیں جو رشتے داروں میں سے ہوں۔

آگے جب اسلام کے ایک اور تکمیلی رکنِ حج پر نظر ڈالتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا یہ شعار تو اس مطلوبہ آفاقی اتحاد کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ جس طرح بیت الحرام کا یہ چھوٹا سا ٹکڑا پورے کرۂ ارضی کا مرکز ہے، اسی طرح اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے انسانوں کی جماعت نوعِ انسانی کے لیے امتِ وسطیٰ ہے۔ یہی زمین کا وہ مقدس ٹکڑا ہے جہاں سے پہلی بار ہدایت کا سرچشمہ پھوٹا اور تمام عالم کی سیرابی کا باعث بنا، اور یہیں سے اس عقیدۂ توحید کی آواز بلند ہو کر چار دانگِ عالم میں پھیلی۔

حج کے موقع پر اس آفاقی اتحاد کا مظاہرہ کرنے کے لیے مختلف علاقوں، مختلف زبانوں اور مختلف رنگ و نسل کے افراد یہ تمام امتیازات بیت الحرام میں داخلے سے پہلے کچھ فاصلے پر چھوڑ کر اور اپنی اپنی زبانیں بھلا کر "صاحبِ خانہ" کی زبان میں مصروفِ مناجات ہو جاتے ہیں۔ تمام مقامی لباسوں کو اتار کر دو سفید چادریں زیبِ تن کر لیتے ہیں۔ یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس لباس میں یہ لوگ نہ صرف زمین کے اوپر اپنے اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہیں بلکہ جب ہمیشہ کے لیے زمین کے نیچے چلے جاتے ہیں تو ایسے ہی لباس یعنی کفن میں ملبوس ہوتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اتفاق و اتحاد ایک ایسی چیز ہے جس کے محمود و مطلوب ہونے پر تمام انسان خواہ وہ کسی ملک اور کسی زمانے کے ہوں اور کسی مذہب و مشرب سے تعلق رکھتے ہوں، سب کا اتفاق ہے اور اسلام کی بھی یہی دعوت ہے۔

مجموعۂ تفاسیر ابو مسلم اصفہانی : سید نصیر شاہ و محمد رفیع اللہ

مشہور معتزلی مفسر ابو مسلم کے ان تفسیری اقوال کا مجموعہ جو امام رازی نے اپنی تفسیر میں مختلف مقامات پر نقل کیے ہیں۔ جہاں ابو مسلم نے دوسرے مفسرین سے اختلاف کیا ہے، وہاں مختصراً دوسرے مفسرین کے اقوال بھی پیش کر دیے گئے ہیں۔ صفحات ۱۹۲ قیمت ۸ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور۔